Fikr-o-Nasar (Islamabad) 20:11 (1983)

انسانی معاشرہ کا ارتقاء اور اُمت مسلمہ

محمد یوسف فاروقی

مسلمان مفکرین میں امام غزالیؒ ان اولین مفکروں میں سے ہیں جنہوں نے اجتماعِ انسانی کو مثبت انداز میں فطرت کے تقاضوں کے مطابق قرار دیا ہے۔ انہوں نے اس کے دو اہم عوامل بیان کئے ہیں، ایک بقائے نسل اور دوسرا اسباب زندگی کی فراہمی، کیونکہ تخلیقِ انسانی کے آغاز ہی سے انسان میں بقائے نسل کی خواہش بھی موجود ہے اور اسباب زندگی کی فراہمی کا داعیہ بھی انہی دو عوامل نے انسان کو باہم مل جل کر زندگی بسر کرنے پر آمادہ کیا ہے۔ لہٰذا انسان ابتدائے آفرینش ہی سے اجتماعیت پسند رہا ہے۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے انسانی معاشرہ، اس کی تاریخ اور ارتقاء کا گہرا مطالعہ کیا ہے، وہ قوموں کے عروج و زوال پر ناقدانہ نظر رکھتے ہیں، انہوں نے معاشرتی ارتقاء کو چار مراحل میں تقسیم کیا ہے، اور اپنی مخصوص اصطلاح میں انہیں ارتفاقات کا نام دیا ہے۔

ارتفاقات :- پہلا مرحلہ جو ارتفاق اول کہلاتا ہے اس میں معاشرہ انتہائی سادہ اور بالکل ابتدائی قسم کا ہوتا ہے۔ اس ابتدائی معاشرے میں لوگوں کے باہمی تعلقات میں بھی سادگی ہوتی تھی اور ان کے رہن سہن کے طور طریقوں میں بھی ان کی ضروریات زندگی بہت مختصر و محدود ہوا کرتی تھیں۔

انسانی اجتماع کے اس ابتدائی دور میں انسان دنیا کے کسی بھی خطہ میں رہا ہو، اس کے پاس اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے کے لئے انبیاء علیہم السلام ضرور آتے رہے ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی رہنمائی اور اس کی تعلیمات سے کوئی معاشرہ بے نیاز نہیں

ہو سکتا، قرآن کریم سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے :-

وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ

کوئی قوم ایسی نہیں گزری جس میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے کوئی ڈرانے والا نہ آیا ہو۔

انبیاء علیہم السلام کی بنیادی تعلیمات تو ہمیشہ یکساں رہی ہیں عقائد کے بارے میں تو خاص طور پر ان کی تعلیمات کا مرکز و محور ایک ساہی رہا۔ البتہ معاشرہ کی اصلاح سے متعلق قواعد و ضوابط، باہمی تعلقات اور اجتماعی نظم کے بارے میں احکام ہر دور کے وقتی حالات اور ضروریات کے مطابق ہوتے تھے، انبیاء نہ صرف دین کی تعلیم دیتے تھے بلکہ اجتماعی ضروریات کی تعلیم بھی دیتے تھے، مثلاً تجارت و زراعت یا بعض دیگر ضروری فنون کی تعلیم اس طرح معاشرہ کے ارتقاء میں انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات اور ان کی تربیت کا عمل دخل بہت رہا ہے۔

جب معاشرہ پہلی منزل کی ارتقائی ضروریات کی تکمیل کر لیتا ہے تو دوسرے مرحلہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس مرحلہ میں انسانی اجتماع زیادہ وسیع ہوتا ہے وہ علوم و فنون کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اس میں تحقیق و جستجو کا مادہ پیدا ہوتا ہے، نت نئے تجربات کرتا ہے جس کے نتیجہ میں نئے علوم و فنون پیدا ہوتے ہیں۔ معاش کے نئے طریقے دریافت ہوتے ہیں، تدبیر منزل اور باہمی معاملات اور تعلقات کے قاعدے ضابطے وجود میں آتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل بھی عطا فرمائی ہے اور حواس بھی یہی اس کے پاس ذرائع علم ہیں، ہم اپنے حواس سے جو کچھ علم حاصل کرتے ہیں اسے عقل کی کسوٹی پر بھی پرکھ سکتے ہیں، اپنی سوچ اور ذہانت سے تجزیہ کرنے اور نتائج اخذ کرنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں، لیکن انسانی حواس محدود ہوتے ہیں اور ان میں غلطی کے احتمالات بھی ہوتے ہیں اسی لئے عقلی استدلال اور فکری نتائج میں بھی غلطی کا امکان ہوتا ہے اسی بناء پر اللہ تعالیٰ انسان کو کسی مرحلہ پر بھی تنہا نہیں چھوڑتا کہ وہ محض اپنے مشاہدات، تجربات، اپنی تحقیق و جستجو اور اپنی عقل و فکر سے اجتماع انسانی کو فلاح و سعادت سے ہمکنار کرے خاص طور پر مابعد الطبیعاتی مسائل میں انسانی ذرائع علم بالکل عاجز ہیں، لہٰذا اجتماع انسانی کے دوسرے مرحلہ میں بھی انبیاء علیہم السلام کی

بعثت ہوتی رہی اور وہ معاشرہ کی رہنمائی کرتے رہے اس دور کی ضرورت اور حالات کے مطابق قانون و شریعت عطا فرماتے رہے۔ انبیاء علیہم السلام فکری اور علمی اعتبار سے اپنے دور اور زمانہ سے بہت آگے ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کی تعلیمات معاشرہ کو آگے بڑھنے اور صحیح سمت میں ترقی کرنے میں بہت ممد و معاون ہوتی ہیں۔ وہ ایک طرف ان خامیوں اور برائیوں کی روک تھام کرتے ہیں جو نفسانی خواہشات اور حرص و لالچ کے جذبات کے تحت وجود میں آتی ہیں تو دوسری طرف جہالت و گمراہی کی ٹھیک ٹھیک نشاندہی کر کے فلاح و سعادت کی روشن راہوں کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔

جب معاشرہ تیسری منزل میں داخل ہوتا ہے تو یہ تمدن کا نیا دور ہوتا ہے اس دور میں قدیم علوم و فنون میں ترامیم اور اصلاحات ہوتی ہیں، نئے نئے علوم وجود میں آتے ہیں نئے نئے تجربات ہوتے ہیں اور منظم سیاسی نظام قائم ہوتے ہیں۔

اس طرح ارتقار کی اس تیسری منزل میں جب فنی ترقی اور علمی ایجادات خوب ہوتی ہیں تو لوگوں کے باہمی تعلقات میں وسعت پیدا ہوتی ہے اور سیاسی نظام کے ساتھ ساتھ بڑی بڑی مملکتیں اور حکومتیں بھی وجود میں آتی ہیں، اس دور میں دولت کی فراوانی ہوتی ہے اس وجہ سے رہن سہن اور طور طریق بھی بدل جاتے ہیں، ان میں آرام و آسائش کا زیادہ خیال رکھا جاتا ہے۔ باہم مادی منفعتیں زیادہ ہوتی ہیں جن کی وجہ سے تصادم بھی بڑھتا ہے۔ دوسری طرف بڑی بڑی سلطنتیں وجود میں آتی ہیں ان حکومتوں کے باہمی جھگڑے اور آپس کی جنگیں انسان کے امن و سکون کو تباہ کر دیتی ہیں۔ اس اعتبار سے اجتماع کا یہ دور رشد و ہدایت کا زیادہ محتاج ہوتا ہے تاکہ وہاں مادی منفعتوں اور باہمی چپقلشوں میں ہی مبتلا ہو کر نہ رہ جائے بلکہ قلب و روح کے تقاضوں کو بھی سمجھے اور انہیں پورا کرے۔ اس لئے کہ اگر انسان کے ضمیر کو روشن اور مستحکم نہ بنایا جائے اور عقائد کو دل و دماغ میں راسخ کر کے تزکیۂ نفس نہ کیا جائے تو شر (فجور) کی قوتیں معاشرہ کے امن و سکون کو تہ و بالا کر دیتی ہیں انبیاء علیہم السلام کا انسانیت پر یہ عظیم احسان ہے کہ انہوں نے انسانی

اجتماع کے ہر مرحلہ اور ہر منزل میں ان کی قیادت کی اس مرحلہ میں بھی وہی نمایاں طور پہ قیادت کرتے ہیں۔

ارتقار کا یہ تیسرا دور اس اعتبار سے بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے کہ اس کے بعد اجتماع اپنے عروج کے اس آخری مرحلہ میں داخل ہونے کی تیاری کر رہا ہوتا ہے جس پہ پہنچ کر اجتماع علاقائیت اور جغرافیائی حدود سے نکل کر بین الاقوامی اور عالمگیر صورت اختیار کر لیتا ہے۔ تیسرے دور میں انبیاء اس انداز سے تربیت کرتے ہیں کہ ایک عالمگیر اور آفاقی امت کے لئے راہ ہموار ہو سکے، وہ آئندہ آنے والی نسلوں کو بھی فکری اعتبار سے وحدت آفاقیت کی دعوت دیتے ہیں، انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ایک گروہ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا ضرور ایسا ہوتا ہے جو ان کی دعوت ان کی فکر اور دین کو پوری طرح سمجھ لیتا ہے اور پھر اپنی ذہنی کیفیت، اور دل و دماغ کو پوری طرح تعلیمات نبوی کے ساتھ ہم آہنگ کر لیتا ہے، ان لوگوں میں عمل کی بے پناہ قوت ہوتی، یہ لوگ انبیاء علیہم السلام کے بعد بھی ان کی دعوت اور نظام کو پورے اعتماد و یقین کے ساتھ پیش کرتے رہتے ہیں، اس طرح الہامی تعلیمات کسی نہ کسی صورت میں دنیوی تہذیبوں اور تمدنوں کو اپنے اثرات سے مزید متاثر کرتی ہیں

حضرت ابراہیم علیہ السلام جن کا تعلق تیسرے دور کے اجتماع سے تھا انہوں نے اس آفاقی تمدن کی بنیاد رکھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک طرف نمرودی تمدن پہ ضرب لگائی اس کی فکری بے راہ روی کی نشاندہی کی، نمرودی تمدن، اجتماع انسانی کی تعمیری ترقی کی راہ میں رکاوٹ بنا ہوا تھا حضرت ابراہیمؑ نے اس بت کو توڑا۔ دوسری طرف وہ اس آرزو اور تمنا کا اظہار کرتے ہیں کہ اجتماع انسانی کے چوتھے مرحلہ کا آغاز ایک ایسے عظیم المرتبت رسول کی قیادت سے ہو جو وحی الٰہی کی روشنی میں اس آفاقی امت کی رہنمائی کرے وہ رسول ان کی اس طرح تربیت کرے کہ نئی قائم ہونے والی امت گروہوں اور نسلی فرقوں میں بٹی ہوئی انسانیت کو نجات دلا کر وحدت انسانیت کا درس دے سکے۔

<u>امت مسلمہ</u> :۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب بیت اللہ کی تعمیر فرما رہے تھے تو شہر مکہ کو امن و سلامتی کا شہر بنانے کے لئے دعا فرما رہے تھے۔ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ آمِنًا ۔[۲]

اے میرے رب، اس شہر کو امن و سلامتی کا شہر بنا دے

تاکہ دنیا بھر کے لوگوں کے لئے یہ مرکز عبادت بھی بن جائے، اور اس شہر امن میں لوگوں کا اجتماع اس لئے ہو کہ وہ اس عہد کی تجدید کر لیں جو انہوں نے اپنے رب سے کیا ہوا ہے ان کے عمل ان کی فکر اور اخلاق و کردار میں کچھ خامیاں پیدا ہو گئی ہوں تو اپنے رب سے معافی مانگ کر اپنی اصلاح کر لیں اور پھر دنیا بھر میں مقاصد رسالت کی تکمیل کے لئے اپنا فرض ادا کر سکیں۔

تعمیر بیت اللہ اور شہر امن کی دعا کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے امت مسلمہ کے لئے بھی دعا فرمائی:۔

"رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةً مُسْلِمَةً لَّكَ" [۳]

اے اللہ ہمیں اپنا فرمانبردار بنائے رکھ اور ہماری اولاد میں سے اپنی مطیع امت بنا

یہاں امتِ مسلمہ سے مراد ایسی امت ہے جو توحید کی علمبردار ہو اور اللہ تعالیٰ کے دین کو دنیا میں غالب اور اس کی شریعت کو نافذ کرے [۴] امام رازی مسلم کے مفہوم کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مسلم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے سامنے سر تسلیم خم کر دے، اللہ تعالیٰ کی مکمل عبادت کرے، اس کی تقدیر پر راضی رہے اس کے فیصلوں اور احکام میں کوئی نزاعی صورت اختیار نہ کرے [۵] دو باتوں کا خاص طور پر ذکر کرتے ہیں جن سے امت مسلمہ کو سمجھنے میں سہولت ہوتی ہے، ایک یہ کہ پورے خلوص کے ساتھ توحید کی علمبردار رہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرے۔ دوسرے یہ کہ شریعت اسلامی کو جاری و نافذ کرنے کے لئے بھرپور جدوجہد کرے

دین کے بارے میں تو اللہ تعالیٰ نے طے کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین تو صرف اسلام ہے [۶] اور یہ بھی قطعی فیصلہ ہے کہ جو شخص دین اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین کا خواہش مند ہوگا تو وہ ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ [۷] اور یہ کہ آج کے دن میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے

لئے دین اسلام کو پسند کیا[۱]۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف امتِ مسلمہ کے لئے دعا پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ ایک ایسے رسول کی بعثت کے لئے بھی دعا کی جس کی رسالت آفاقی ہو اور جو اس امت کی تعلیم و تربیت کر کے اس قابل بنادے جو اپنی عالمگیر ذمہ داریوں کو ادا کر سکے اور زمان و مکان کی جغرافیائی حد بندیوں سے نکل کر دنیا بھر میں شہادت حق کا فریضہ انجام دے۔ تعمیر بیت اللہ کے وقت حضرت ابراہیم نے یہ دعا کی

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ[۹]

اے اللہ ان میں (امت مسلمہ میں) ایسا رسول بھیج جو تیری آیات انہیں پڑھ کر سنائے، انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ نفس کرے، یقیناً تو بہت غالب اور حکمت والا ہے۔

امت وسط:۔ اس امت کی دوسری خصوصیت جس کا قرآن حکیم نے ذکر کیا ہے وہ اس کا امتِ وسط ہونا ہے۔ امام رازیؒ وسط کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ امت وسط سے مراد ایسی امت ہے جو دنیا میں عدل و انصاف قائم کرنے کی ذمہ دار ہو وسط کے اس مفہوم کے لئے وہ قرآن و سنت اور ادب عربی سے استدلال بھی پیش کرتے ہیں۔

علامہ ابو السعود عمادیؒ نے بہت خوبصورت انداز میں امتِ وسط کی تشریح کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ الوسط دراصل اس مرکزی دائرہ کو کہا جاتا ہے جس کے تمام اطراف مساوی ہوں، پھر یہ لفظ استعارۃً تمام خصائل محمودہ کے لئے استعمال ہوتا ہے وہ لکھتے ہیں:۔

ای متصفۃ بالخصال الحمیدہ خیاراً وعدولا مزکین بالعلم والعمل[۱۰]

یعنی امت وسط اخلاق حمیدہ سے متصف، سراپا خیر، عدل و انصاف کی علمبردار اور علم و عمل سے آراستہ افراد کی جماعت ہوتی ہے۔

قرآن کریم نے اس مقام پر جہاں اس امت کا امتِ وسط ہونا ذکر کیا ہے وہاں ایک ایسے اہم[٨] فریضہ کو بھی ذکر کیا ہے جس کی ادائیگی کے لئے یقیناً اس امت کا امتِ وسط ہونا ضروری ہے، وہ ذمہ داری یہ ہے کہ یہ امت دنیا بھر میں شہادتِ حق کا فریضہ انجام دے، اس کے لئے ضروری ہے کہ اس امت کو مرکزی دائرہ یا خطِ مستقیم کی طرح مقامِ حاصل ہو، اور دنیا بھر کے انسانوں کی نظریں اس پر ہوں یہ نمونہ اپنے افکار و عقائد، اعمال و کردار کے اعتبار سے منفرد ہو، تعلیمات قرآنی اور اسوۂ رسول کا مجسم عملی نمونہ ہو تاکہ مشرق و مغرب کے لوگ اپنے اجتماعی نظم، اعلیٰ اخلاقی اقدار اور تعلیم و دعوہ کے ساتھ شہادتِ حق کا فریضہ انجام دے سکے۔ قرآن الحکیم میں ارشاد ہے

• وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا۔

اور اسی طرح ہم نے تمہیں امت وسط بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ رہو اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم تم پر گواہ رہے

سورۃ المائدہ میں اہل ایمان کو شہادتِ حق کے فریضہ کو پوری دیانت داری اور انصاف کے ساتھ ادا کرنے کے لئے اٹھ کھڑا ہونے کا حکم اس طرح دیا ہے :

[١٢] يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ

اے ایمان والو اللہ تعالیٰ کی خاطر اٹھنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ (المائدہ - ۸)

شہادتِ حق امت مسلمہ کا ایسا اہم فریضہ ہے جس میں کسی قسم کی کوتاہی ناقابل معافی جرم ہے۔ قرآن کریم نے اسے ظلم سے تعبیر کرکے اس کے بھیانک جرم ہونے کو واضح کیا ہے

[١٣] وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ

اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی شہادت کو جو اس کے پاس موجود ہے چھپائے

خیر امت :- شہادتِ حق کا علمبردار اس امت مسلمہ کو خیر امہ کا خطاب بھی عطا ہوا ہے سورۃ آل عمران

میں ہے [illegible]

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ [illegible]

تم بہترین امت ہو لوگوں کی رہنمائی کے لیے مبعوث کیے گئے ہو۔ معروف کا حکم دیتے ہو، منکر سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو [illegible]

[illegible] اس آیت مبارکہ میں خیر امت کی [illegible] ایمان [illegible] کی ادائیگی کی وجہ سے یہ امت بہترین امت قرار پاتی ہے۔ [illegible] معروف کی تعلیم اور منکرات کی روک تھام کا فریضہ انجام دے [illegible] اللہ تعالیٰ پر مضبوط [illegible] امت کو کسی نسب، نسل یا علاقے کی بنا پر حاصل نہیں ہوتا بلکہ ایمان [illegible] کی مستحق قرار پاتی ہے [illegible]

امت قائمہ: [illegible] امت کی ایک صفت قرآن میں بیان ہوئی ہے [illegible] امت ہے جو اللہ تعالیٰ کے دین کو قائم کرنے کے لیے عملاً اٹھ کھڑی ہو۔ قرآن کریم نے ان اہل کتاب کی [illegible] ہے جن کے [illegible] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صحیح تعلیمات کو [illegible] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو آپ کے ساتھ [illegible] اسلام کی اشاعت اور حق کے قیام کی تحریک [illegible] ہوگئے۔ قرآن حکیم نے ان اہل کتاب کا [illegible] ذکر کیا ہے [illegible]

لَيْسُوا سَوَاءً مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُونَ ۝ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَأُولَٰئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ [illegible]

[illegible]

سب ایک جیسے نہیں ہیں، اہل کتاب میں ایک گروہ عہد پر قائم ہے، یہ لوگ رات کے اوقات میں اللہ تعالی کی آیات پڑھتے ہیں اور اس کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں، اللہ تعالی اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، معروف کا حکم دیتے ہیں، منکر سے روکتے ہیں اور بھلائی کے کاموں میں سبقت کرتے ہیں یہی لوگ نیکوکاروں میں سے ہیں۔

یہ وہ اہل کتاب تھے جو اللہ تعالی کے ساتھ کئے ہوئے عہد و میثاق پر قائم رہے، اس کے دین و شریعت پر عمل پیرا رہے اور لوگوں تک حق پہنچانے کی مقدور بھر کوشش کرتے رہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد آپ کے شریک کار بن کر دعوت دین اور شہادت حق کا فریضہ انجام دیتے رہے۔

امت مقتصدہ:- امت کی ایک صفت مقتصدہ بھی بیان ہوئی ہے۔ قرآن کریم میں یہ صفت بھی اہل کتاب کے اس گروہ کے بارے میں ہے جو پہلے بھی اسلام سے وابستہ تھا جب لوگوں نے آسمانی کتاب میں تحریف کر دی اور دین حق کے مقابلہ میں اپنی بدعات اور من گھڑت رسوم و رواج کو اللہ تعالی کا دین قرار دینے لگے۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی حق و صداقت وحی الہی کے ذریعہ واضح ہوا۔ تو ان لوگوں نے آگے بڑھ کر حق کا ساتھ دیا۔ ارشاد باری تعالی ہے:-

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرَاةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا ١٦
مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ، وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ

اگر یہ لوگ توراۃ و انجیل اور جو کچھ ان پر ان کے رب کی جانب سے نازل ہوا ہے قائم کرتے تو اپنے اوپر سے اور اپنے قدموں کے نیچے سے اللہ تعالی کا رزق و فضل پاتے، ان میں ایک راست رو جماعت بھی ہے لیکن زیادہ تر ان میں سے ایسے لوگ ہیں جن کے اعمال بہت برے ہیں

مقتصدہ کا لفظ قصد سے مشتق ہے، القصد یا الکل سیدھا راستہ، قرآن حکیم میں ہے وعلی اللہ قصد السبیل (سیدھا راستہ تو اللہ تعالی تک جا پہنچتا ہے)

قصد عدل کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اقتصد فلان فی امرہ، فلاں شخص اپنے معاملہ میں صحیح طریقہ

پر ہے۔[۱۵] قرآن حکیم میں امتِ مقتصدہ سے مراد وہ جماعت ہے جو ناسازگار حالات اور اپنے اطراف میں پھیلے ہوئے فساد کے باوجود حق پر قائم رہی اور بالآخر عہدِ نبوی میں مشرف باسلام ہوئی۔

<u>**امتِ واحدہ**</u>:۔ ہم نے شروع میں شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کردہ ارتفاقات کا ذکر کیا تھا۔ شاہ صاحب نے انسانی اجتماع کو چار ادوار میں تقسیم کیا ہے، ان تمام ادوار میں اگر انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات اور ان کی تربیت شامل نہ ہوتی تو آج دنیا میں حق و صداقت، عدل و انصاف اور اخلاقی اقدار بہت حد تک ناپید ہوتیں اور انسانی اجتماع کا یہ ہمہ گیر ارتقاء بھی وجود پذیر نہ ہوتا۔ بات صرف اخلاق و عبادات ہی کی نہیں بلکہ آج یہ علمی، تہذیبی اور تمدنی ترقیاں سب الہامی تعلیمات کی مرہونِ منت ہیں، کیونکہ انسانی اجتماع کا آغاز ہی نبوت و وحی سے ہوتا ہے اور حسبِ ضرورت انبیاء علیہم السلام کی بعثت ہوتی رہی تا آنکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ساتھ مقصدِ نبوت کی تکمیل ہو گئی۔

ان تمام انبیاء علیہم السلام کا بنیادی مقصد ایک ہی تھا، سب نے اسلام کی تعلیم دی، بنیادی عقائد اور اخلاقیات سب ہی کی تعلیمات میں یکساں رہے ہیں، البتہ معاشرتی نظم اور فروعی احکام سے متعلق ہدایات میں حالات و زمانہ کے اعتبار سے فرق ہوتا رہا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کا ایک اہم مقصد یہ بھی رہا ہے کہ جب لوگ باہمی اختلافات کی وجہ سے اپنے آپ کو مختلف گروہوں میں تقسیم کرلیں تو وہاں انہیں پھر وحدت کا درس دیں اور انسانوں میں خود پیدا کردہ گروہی اختلافات کو ختم کرائیں۔ سورۂ بقرہ کی اس آیت کا بغور مطالعہ کیجئے۔

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَأَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِن بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ وَاللّٰهُ يَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ[۱۶]

پہلے تو سب لوگ ایک ہی امت تھے، لیکن لوگ آپس میں اختلاف کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے بشارت دینے والے اور ڈرانے والے انبیاء بھیجے، اور ان پر کتابیں نازل کیں قولِ فیصل کے ساتھ، تاکہ جن امور میں لوگ اختلاف کرتے تھے ان میں فیصلہ کر دیں، اور اس میں اختلاف بھی انہی لوگوں نے کیا جن کو کتاب دی گئی تھی باوجودیکہ ان کے پاس کھلے ہوئے احکام آ چکے تھے، اور یہ اختلاف انہوں نے صرف آپس کی ضد سے کیا، تو جس امر حق میں وہ اختلاف کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے اہل ایمان کو اس کی راہ دکھا دی، اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھا دیتا ہے۔ (البقرہ - ۲۱۳)

معاشرہ جوں جوں ترقی کرتا جائے گا انسانی وحدت کا تصور اتنا ہی زیادہ اجاگر ہوتا جائے گا اور اس کی ضرورت کو بھی شدت سے محسوس کیا جائے گا، اس لئے کہ دنیا میں انسانوں کے بے شمار مسائل عدم وحدت کی وجہ سے پیدا ہو رہے ہیں، اسی احساس کا نتیجہ ہے کہ کبھی مجلس اقوام کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور کبھی اقوام متحدہ کا قیام عمل میں آتا ہے لیکن ان اداروں کے قیام سے انسان وہ مقاصد حاصل نہیں کر سکا جو درحقیقت وہ حاصل کرنا چاہتا ہے اس کی اصل وجہ تو یہ تھی کہ ان اداروں نے وحدت انسانی کی طرف توجہ نہیں کی بلکہ قدیم علاقائی و نسلی تقسیم کے علاوہ مزید طاقت ور گروپ بنتے رہے اور یہ ادارے ان بلاکوں کو تقویت پہنچاتے رہے جس کی وجہ سے عالمی مشکلات میں اضافہ ہوتا رہا۔

اسلام کے نقطۂ نگاہ سے انسانوں میں علاقائی، نسلی، لونی اور لسانی فرق کی کوئی خاص اہمیت نہیں، وہ تمام دنیا کے انسانوں کو ایک آدم کی اولاد قرار دیتا ہے۔ اور عقیدہ و فکر کی بنیاد پر دنیا بھر کے انسانوں کو متحد کرتا ہے، دین اسلام ایک ایسا آفاقی دین ہے جو آج دنیا بھر کے انسانوں کو متحد کر سکتا ہے، قرآن کریم کی یہ تعلیم سب کے لئے ہے:۔

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا

سب مل کر اللہ تعالیٰ کے دین کو مضبوطی سے تھام لو۔ اور تفرقہ میں نہ پڑو۔

اور

ولاتکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا من بعد ما جاءھم البینت واولئک لھم عذاب عظیم ط [۲۱]

ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو فرقوں میں بٹ گئے اور کھلی ہوئی واضح ہدایات کے باوجود اختلافات کا شکار ہو گئے، ایسے لوگوں کے لئے عذاب ہو گا۔

تفرقہ و اختلاف پیدا کرنے والے لوگ آخرت کے عذاب سے یقیناً نہیں بچ سکیں گے، لیکن دنیا میں بھی انسانوں میں یہ تفریق و اختلاف انسانی معاشرے کے زوال کا ایک بڑا سبب رہا ہے قرآن حکیم نے امتِ مسلمہ کو امتِ واحدہ اسی لئے کہا ہے کہ یہ امت زمان و مکان، رنگ و نسل، رسوم و رواج کی بنیاد پر تقسیم نہیں ہوئی، سورۂ انبیاء میں ہے۔

اِنَّ ھٰذِہٖٓ اُمَّتُکُمْ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً، وَّاَنَا رَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْنِ ط [۲۲]

یقیناً یہ تمہاری امت ایک ہی امت ہے، اور میں تمہارا رب ہوں پس میری ہی عبادت کرو

سورہ مومنون میں اس مضمون کو اس طرح بیان کیا گیا ہے

وَاِنَّ ھٰذِہٖٓ اُمَّتُکُمْ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً وَّاَنَا رَبُّکُمْ فَاتَّقُوْنِ۔ [۲۳]

اور یہ تمہاری امت یقیناً ایک ہی امت ہے، اور میں تمہارا رب ہوں تو مجھ سے ڈرتے رہو۔

قرآنِ حکیم کی ان آیات سے اس بات کی بخوبی وضاحت ہو جاتی ہے کہ امتِ مسلمہ کا دنیا میں کیا مقام ہے، اس کے اوصاف و خصوصیات بھی واضح ہو جاتے ہیں اور اس کے فرائض و ذمہ داریوں سے بھی آگاہی حاصل ہو جاتی ہے۔

آج انسان عدل و انصاف کا متلاشی ہے، حق و صداقت کا خواہش مند ہے، وہ دنیا میں امن و

سلامتی کو دیکھنا چاہتا ہے، اگر امتِ مسلمہ اپنے فرائض کی ادائیگی کے لئے اٹھ کھڑی ہو اس طرح کہ اس کا کردار اس کے قول کا گواہ ہو اور قول کردار کا پھر وہ بھٹکی ہوئی انسانیت کو دینِ فطرت کے روشناس کرا دے تو بعید نہیں کہ ایک عالمی انسانی معاشرہ قائم ہو جائے اور بحیثیت مجموعی دنیا بھر میں امن و سلامتی کا قیام ممکن ہو جائے۔

حوالہ جات

۱۔ فاطر۔ ۲۴ ۲۔ البقرہ۔ ۱۲۶ ۳۔ البقرہ۔ ۱۲۸

۴۔ رازی "التفسیر الکبیر" ج ۴ ص ۶۷ ۔ ۵۔ ایضا ۶۔ ایضاً ص ۶۶

۷۔ آل عمران۔ ۱۹ ۸۔ آل عمران۔ ۸۵ ۸۔ المائدہ۔ ۳ ۹۔ البقرہ ۱۲۹

۱۰۔ ابو السعود، محمد بن محمد عمادی، ارشاد العقل السلیم مذایا القرآن الکریم ج ۱، ص ۱۳۳، ۱۳۴

۱۱۔ البقرہ۔ ۱۴۳۔ ۱۲۔ المائدہ۔ ۸ ۱۳۔ البقرہ۔ ۱۴۰

۱۴۔ آل عمران۔ ۱۱۰ ۱۵۔ آل عمران۔ ۱۱۳، ۱۱۴ ۱۶۔ المائدہ۔ ۶۶

۱۷۔ النحل۔ ۹

۱۸۔ "لسان العرب" ج ۲ ص ۳۰۲، ۲۵۴۔

۱۹۔ البقرہ۔ ۲۱۳ ۲۰۔ آل عمران۔ ۱۰۳ ۲۱۔ آل عمران۔ ۱۰۵ ۲۲۔ انبیاء۔ ۹۲

۲۳۔ المومنون۔ ۵۲۔